خطۂ بہاول پور کے سفرنامہ نگاروں کی مشاہداتی تمثیل

Observational parable of travel correspondent of Bahawalpur region

ڈاکٹر سائرہ ارشاد [i]

Abstract:

The main purpose of the travelogue is to share your experiences and observations with others. In this regard, not only are different places visited, but it is also important to create interest with people through travel and events. The travelogue is the various modes of expression. It is a genre of literature that introduces the culture, history and geography of any region. Travelogues are written in every language of the world for different purposes, motives and needs. An excellent travelogue thoroughly examines the society, civilization, ethics, history and geographical boundaries. In general, more attention has been paid to the travelogue in the creative prose of the region of Bahawalpur. Enthusiasm is evident in religious travelogues, while other journeys are a beautiful combination of wonder and enthusiasm. In view of the literary significance of these travelogues, an overview of the observational parables of travel correspondents from Pakistan to date has been briefly reviewed.

Keywords: Travelogue, Spiritual Commitment, Mountains, Narrative Gender, Unparalleled Industrial, Literary Hobbies.

سفرنامے کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ اپنے تجربات و مشاہدات کو دوسروں تک پہنچایا جائے۔ اس حوالے سے نہ صرف مختلف مقامات کی سیر کرائی جاتی ہے بلکہ دورانِ سفر لوگوں سے میل جول اور واقعات کے ذریعے دلچسپی پیدا کرنا بھی لازمی امر ہے۔ سفرنامہ ایسی صنفِ ادب ہے کہ جس کی بدولت کسی بھی خطے کی بنا دیکھے تہذیب و ثقافت، تاریخ اور جغرافیے سے شناسائی حاصل ہوتی ہے۔ کم وبیش دنیا کی ہر زبان میں مختلف مقاصد، محرکات اور ضرورتوں کے تحت سفرنامے لکھے جاتے ہیں۔ ایک عمدہ سفرنامے میں طرزِ معاشرت، تہذیب و تمدن، اخلاقیات، تاریخ اور جغرافیائی حدود کا بھرپور انداز میں جائزہ لیا جاتا ہے۔ مجموعی طور پر خطہ بہاول پور کی تخلیقی نثر میں سفرنامے کی طرف زیادہ توجہ دی گئی ہے۔ مذہبی سفرناموں میں جوش و خروش نظر آتا ہے جب کہ دیگر اسفار حیرت و جوش کا حسین امتزاج ہیں۔ ان سفرناموں کی ادبی اہمیت کے پیش نظر قیام پاکستان سے اب تک کے سفرنامہ نگاروں کی مشاہداتی تمثیل کا اجمالی جائزہ لیا گیا ہے۔

کلیدی الفاظ: سفری روداد، صنفِ ادب، بہاول پور، روحانی وابستگی، دامن کوہ، بیانیہ صنف، بے مثال صناعی، ادبی مشاغل

خطۂ بہاول پور اردو ادب کے حوالے سے منفرد تشخص اور پہچان کا حامل ہے۔ اس خطے کی علمی و ادبی تاریخ صدیوں پرانی ہے۔ صادق الاخبار اور ایس ای کالج نے یہاں کے ادب کو ترویج دی جب کہ مجلہ ''الزبیر'' بھی خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ اس خطے میں شاعری کے علاوہ نثری ادب کو بھی فروغ حاصل ہوا۔ جب کہ

[i] لیکچرر، شعبہ اردو، گورنمنٹ صادق کالج ویمن یونی ورسٹی بہاول پور

اردو کی غیر افسانوی نثر کا جائزہ لیا جائے تو اس حوالے سے منتخب اصناف خاکہ، انشائیہ، سفر نامہ اور طنز و مزاح شامل ہیں۔

ماضی میں انسان کی ترقی سست روی پر مبنی تھی، سفر پیدل یا جانوروں کے ذریعے کیا جاتا تھا، جوں جوں انسانی زندگی ترقی کی منازل طے کرتی گئی سفر کی رفتار بھی تیز ہو گئی۔ مہینوں کا سفر ہفتوں سے کم ہو کر دنوں میں تبدیل ہوا اور دنوں کے سفر نے گھنٹوں کی جگہ لے لی۔ زندگی سفرِ مسلسل کا نام ہے۔ یہ سفر انسان کی بنیادی ضرورتوں کی وجہ سے ہوتا ہے۔ سفر نامہ ایسی صنف ادب ہے جو عہد قدیم سے اب تک نہایت مقبول رہی ہے۔ قدرت نے انسان کے اندر فطری طور پر تجسس کا مادہ رکھا ہے۔ سفر کے دوران یا اختتام پر اپنے تجربات، مشاہدات، جذبات اور احساسات کو ایک خاص شکل میں ترتیب دیں تو یہ سفر نامہ کہلاتا ہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر انور سدید لکھتے ہیں:

> ''اس صنف ادب کا تمام تر مواد موجودہ منظر کے گرد و پیش میں بکھرا ہوتا ہے لیکن واضح رہے کہ سفر نامہ نگار صرف خارجی ماحول کا ہی مشاہدہ نہیں کرتا بلکہ اپنے بیانیہ کو مدلل اور ہمہ جہت بنانے کے لیے بہت سی دوسری جزئیات کو بھی سمجھتا چلا جاتا ہے۔''[۱]

ابتدائے آفرینش سے انسان اپنی مختلف ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے ایک جگہ سے دوسری جگہ سفر کرتا رہا، دوران سفر اسے دلچسپ اور متاثر کن حالات و واقعات سے گزرنا پڑتا۔ مخصوص قسم کے تہذیبی تصورات پر مبنی معاشروں میں ہر شخص کے بس کی بات نہیں ہوتی کہ وہ سفر اختیار کرے، وہ لوگ جو سفر پر نہ جا سکتے تو ایسی صورتحال میں سفر سے واپس آنے والے لوگوں سے کرید کرید کر پوچھتے کہ:

ان کا سفر کیسا گزرا؟

انھوں نے کیا دیکھا؟

انسان کے اس تجسس اور ذوق و شوق نے اسے سفر نامے کی طرف مائل کیا۔

''سفر'' عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معانی مسافت طے کرنا، سیاحت کے لیے نکلنا یا ایک جگہ سے

دوسری جگہ جانا کے ہیں۔اردو زبان میں یہ لفظ عربی سے مستعار ہے اور انہیں معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

''نامہ'' فارسی زبان کا لفظ ہے، جس کے لغوی معانی لکھے ہوئے خط، فرمان یا عمومی طور پر تحریر شدہ عبارت کے ہیں۔یوں اردو میں سفر نامہ کی اصطلاح وضع ہوئی۔ تمام مذاہب عالم میں سفر کی ترغیب کسی نہ کسی حوالے سے موجود ہے۔خاص طور پر حصولِ علم کے لیے سفر کی اہمیت اجاگر کی گئی ہے۔

''سفر نامہ'' نظم و نثر دونوں صورتوں میں لکھا گیا لیکن اسکی بنیادی شناخت نثری یا بیانیہ صنف ادب کی ہے۔یہ کئی نثری اصناف ادب کا رنگ لیے ہوئے ہے جن میں رپورتاژ، ناول اور آپ بیتی شامل ہیں جبکہ اس کی اپنی منفرد اور جداگانہ حیثیت بھی موجود ہے۔ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی لکھتے ہیں:

> ''دلچسپی اور مقبولیت کے لحاظ سے ایک معیاری سفر نامہ ناول اور افسانے سے کسی طرح کم نہیں۔''[۲]

قیام پاکستان کے بعد خطۂ بہاول پور میں اس صنف کا جائزہ لیا جائے تو محمد خالد اختر[i] کا نام نمایاں نظر آتا ہے، وہ پاکستان کے نامور ادیبوں میں شمار کیے جاتے ہیں۔انہوں نے ادب کی مختلف جہتوں میں طبع آزمائی کی اور اس حوالے سے منفرد مقام حاصل کیا۔ان کے سفر ناموں کا مجموعہ ''مجموعہ محمد خالد اختر (سفر نامے)'' ۵۳ سال میں کیے گئے اسفار پر مبنی ہے جن کا احوال ۱۰ سفر ناموں کی صورت میں شائع کیا گیا۔یہ سفر نامے پختہ ادبی شعور کے حامل ہیں:

> ''کسی نے اگر پاکستان کے یہ خطے نہیں دیکھے جن میں محمد خالد اختر کا گزر ہوا ہے تو وہ ان

---

[i] محمد خالد اختر ۱۲ جنوری ۱۹۱۹ء کو الہ آباد (لیاقت پور) میں پیدا ہوئے اور ان کا تعلیمی سلسلہ بہاول پور سے شروع ہوا۔مشہور مزاح نگار شفیق الرحمن ان کے ہم جماعت تھے جبکہ احمد ندیم قاسمی کالج میں ان کے سینئر تھے ان تینوں کے مابین دوستی کا رشتہ تاعمر برقرار رہا، محمد خالد اختر نے ناول، افسانہ، مضامین اور سفر نامے، مزاح نگاری میں خود کو منوایا جبکہ طنزیہ خطوط اور مختصر کہانیاں بھی لکھیں۔ان کا طنز و مزاح پر مبنی ''ناول بیس سو گیارہ'' ادبیات پاکستان کی طرف سے ایوارڈ کا مستحق قرار دیا گیا، جبکہ مزاح سے بھرپور ناول ''چاکیواڑہ میں وصال'' آدم جی ادبی ایوارڈ کا حق دار بنا۔

خطوں کے لینڈ سکیپ کی رنگین تصاویر کو ان تحریروں میں دیکھ سکتا ہے۔''[۳]

محمد خالد اختر اپنے داخلی و خارجی تجربات و مشاہدات کو شستہ زبان اور فنی مہارت سے پیش کرتے ہیں۔ان کے سفر ناموں میں انگریزی ادب کا گہرا عکس ملتا ہے نیز انگریزی ناولوں کے کردار سفر ناموں میں اس طرح شامل ہو جاتے ہیں کہ اس سے قاری کی سفر نامے میں دلچسپی بڑھ جاتی ہے۔

محمد خالد اختر کا سفر نامہ ''دو سفر''، ''کاغانی مہم'' اور ''سواتی مہم'' کے ذیلی عنوانات پر مشتمل ہے۔ کاغان کی سیاحت میں ان کے ہمراہ ''ڈمبل'' نامی دوست ہے۔دوران سفر محمد خالد اختر کے مشاہداتی انداز سے سفر نامے میں انوکھا پن دکھائی دیتا ہے جبکہ کہیں کہیں قنوطیت پسندی بھی حیرت میں مبتلا کرتی ہے۔دوران سفر جیپ ایک خطرناک موڑ سے گزرتے ہوئے بچ گئی تو انہوں نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ کاش یہ گر جاتی اور سب کچھ ختم ہو جاتا۔ محمد خالد اختر اس کا جواز کچھ اس طرح پیش کرتے ہیں:

''موت ایک خوفناک چیز ہے لیکن اس میں عجیب کشش ہے۔''[۴]

''سواتی مہم'' میں ان کے ہمراہ ''اپی کیورس'' نامی دوست ہے۔ مختصر دورانیے پر مشتمل یہ سفر قدرت کی بے مثال صناعی کے جابجا اظہار پر مشتمل ہے۔ محمد خالد اختر خوش گوار احساسات بیان کرتے ہوئے اسلوب میں روانی کو برقرار رکھتے ہیں۔

مجموعے میں شامل ایک اور سفر نامہ ''ایک خوشگوار سفر'' کے عنوان سے شامل ہے۔ یہ سفر شادی میں شرکت اور مصروف ادبی شخصیت شفیق الرحمٰن سے ملاقات کے احوال پر مشتمل ہے۔ یہ سفری سرگزشت ذاتی نوعیت کے سفر پر مشتمل ہے۔اس میں زیادہ تر معلومات شفیق الرحمٰن سے دوستی اور ماضی کی یادوں کے حوالے سے سفر کی تفصیلات کے برعکس شفیق الرحمٰن کے ادبی مشاغل اور تصانیف کا احاطہ کیے ہوئے ہیں۔ شفیق الرحمٰن اپنے ٹرنکوں میں محفوظ سامان دکھاتے ہیں جن میں دوران ملازمت حاصل کیے گئے تمغے، میڈل، وردیاں اور نایاب کتابیں شامل تھیں۔ محمد خالد اختر اس موقع پر جذباتی انداز میں لکھتے ہیں:

''اب میں نے اس کی کتابیں سالوں کے بعد دیکھیں۔ایک پھانس سی میرے حلق تک آئی

اور میں نے انہیں بھیگی ہوئی آنکھوں سے احترام سے اس گوشے سے اٹھایا۔''[۵]

''کیا ہم ابھی قونیہ میں ہیں'' کے عنوان سے محمد خالد اختر نے مختصر سفری سر گزشت لکھی۔اس سفر کے اغراض و مقاصد کے بارے میں معلومات فراہم نہیں کی گئیں تاہم جلال الدین رومی کے مزار پر حاضری دینے سے محمد خالد اختر کی روحانی وابستگی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

لارڈ بائرن کی نظم ''آئلز آف گریس'' کے عنوان سے ماخوذ سفر نامہ ''آئلز آف گریس'' محمد خالد اختر نے یونان کی سیاحت کے لیے اپنے دوستوں کے ہمراہ کیا۔اس سفر میں یونان روانگی کے واقعات سے اجتناب برتا گیا ہے تاہم چند دنوں پر مشتمل سیاحت میں محمد خالد اختر اپنے مشاہدات کو پختہ ادبی شعور سے بیان کرتے ہیں۔یہ سفر نامہ اختصار کے باوجود تاثراتی حوالے سے بے پناہ خصوصیات کا حامل ہے۔

محمد خالد اختر کا سفر نامہ ''دہقانی یونیورسٹی'' بہاول پور کے ایک قصبے ''خان بیلا'' میں مدرسے کی سیاحت پر مبنی ہے۔لہٰذا اس سفر نامے کا زیادہ تر حصہ مدرسے کے احوال اور تعریف پر مبنی ہے۔محمد خالد اختر دیگر سفر ناموں میں مذہبی بیزاری دکھاتے ہیں جبکہ اس سفر نامے میں انہوں نے وضاحت کی کہ وہ مذہبی شدت پسندوں کی غیر لچکدار اور روایتی سوچ کے خلاف ہیں۔

خطۂ بہاول پور میں سفر نامے کی جان دار روایت میں ایک اور نام شفیق الرحمٰن[i] کا ہے جو اردو ادب میں بطور مزاح نگار ممتاز اہمیت کے حامل ہیں۔ان کی تحریروں نے اردو ادب میں مزاح نگاری کو نئے افق سے روشناس کیا۔انھوں نے ''دجلہ'' کے عنوان سے سفر نامہ بھی لکھا جو مصر کی سیاحت پر مبنی تھا۔یہ سفر نامہ دو حصوں پر منقسم ہے۔پہلے حصے میں شفیق الرحمٰن اپنے دوست کے پاس قاہرہ جاتے ہیں جب کہ دوسرے حصے میں فوجی ملازمت کے سلسلے میں مصر اور بغداد آمد اور قیام کے حوالے سے تفصیل بتائی گئی ہے۔قاہرہ کی سفری

i شفیق الرحمن ۹ نومبر ۱۹۲۰ء کو روہتک کے نزدیکی قصبہ میں پیدا ہوئے،انہوں نے ابتدائی تعلیم بہاول پور سے حاصل کی جبکہ تقسیم ہند کے بعد پاک فوج میں شمولیت اختیار کی اور جنرل کے رینک تک پہنچے۔شفیق الرحمن نے ''پاکستان اکیڈمی آف لیٹرز'' میں بطور چیئرمین بھی خدمات انجام دیں۔

روداد میں فراعین اور ان کے اہرام کے بارے میں منفرد تاثرات شامل کیے گئے ہیں۔ دریائے نیل کے بارے میں پر مزاح انداز قاری کو بے ساختہ مسکرانے پر مجبور کرتا ہے۔ اقتباس ملاحظہ ہو:

> ''اتفاق سے ہمارے ہاں آب پاشی کے لیے بے شمار نہریں ہیں لیکن کیا کیا جائے دریاؤں کو بذات خود آب پاشی کرنے کا شوق ہے۔ چناں چہ برسات کے دنوں میں وہ دور دور کے کھیتوں تک پہنچنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔''[۶]

سفر نامے کے دوسرے حصے میں ربط و تسلسل کی کمی ہے۔ اس میں زیادہ تر وہ یادداشتیں شامل کی گئیں جو فوجی ملازمت کے دوران جنگ کے دنوں میں مختلف مقامات کے حوالے سے ہیں۔ شفیق الرحمٰن پر مزاح انداز سے سفر نامے کو دلچسپ تو بناتے ہیں تاہم سفر نامے کا انداز نہیں اپنایا گیا۔ اسی وجہ سے ادبی منظر نامے میں سفر نامہ ''دجلہ'' کا مقام و مرتبہ اوسط درجے کا قرار دیا جا سکتا ہے۔

بہاول پور میں سفر نامے کی روایت میں ایک اور معتبر نام بشریٰ رحمن[i] کا ہے جو ہمہ گیر شخصیت کے طور پر جانی جاتی ہیں۔ ان کے دو سفر نامے ''براہ راست'' اور اور ''ٹک ٹک دیدم ٹوکیو'' کے نام سے شائع ہوئے۔ انھوں نے ''براہِ راست'' کے عنوان سے پانچ ممالک کی سیاحت پر مشتمل سفر نامہ لکھا۔ ان ممالک میں روم، پیرس، امریکہ، کینیڈا اور برطانیہ شامل ہیں۔ اس سفر نامے میں ان ممالک کی بود و باش اور دیگر خصوصیات کا نہایت باریک بینی سے مشاہدہ کیا گیا ہے۔ سفر نامے میں ایک فرضی کردار سے مکالمے کی صورت میں دوران سفر پیش آنے والے واقعات کو منفرد انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ ان کے سفر نامے میں عورت کی محکومیت کا بار بار ذکر ملتا ہے جبکہ مرد کی تحکمانہ فطرت کا بھی ایک المیے کے طور پر تذکرہ کیا ہے۔

---

i بشریٰ رحمٰن ۱۹۲ اگست ۱۹۴۴ء کو بہاول پور کے تعلیم یافتہ گھرانے میں پیدا ہوئیں۔ انھوں نے ادب کی کسی ایک صنف پر کام نہیں کیا بلکہ ادبی دنیا میں ان کی پہچان مختلف اصناف سے ہوتی ہے۔ بشریٰ رحمن نے ناول، ڈراما، افسانہ، سفر نامہ اور کالم نویسی کے ذریعے ملک گیر شہرت حاصل کی جب کہ شاعری کی دنیا میں اپنی الگ پہچان بنائی۔ انہوں نے عملی طور پر سیاست میں حصہ لے کر بھی خود کو منوایا۔ یوں دیکھا جائے تو بشریٰ رحمن کا تخلیقی میدان بہت وسیع ہے۔

بشریٰ رحمٰن کا سفر نامہ ''ٹک ٹک دیدم ٹوکیو'' سات ممالک کی سیاحت پر مبنی ہے جن میں جاپان، چین، انڈونیشیا، ملائیشیا، بھارت، ایران اور سعودی عرب شامل ہیں۔ یہ سفر نامہ معلوماتی حوالے سے اہمیت کا حامل ہے علاوہ ازیں ان ممالک کی تہذیب و ثقافت کے حوالے سے بھی گہری آگاہی ملتی ہے۔ اس سفر نامے میں صنفی تاثرات بھی نمایاں ہیں۔ انہوں نے سفر نامے میں عورت کی وسیع سوچ کو نہایت خوبی سے نبھایا ہے۔ وہ ایران کے سفر میں ایک مرکز پر خواتین کو جنگ اور دفاع کی تربیت لیتے ہوئے دیکھ کر کہتی ہیں:

> ''خالق کائنات نے پتہ نہیں کن کن اجزائے ترکیبی سے ان خواتین کو بنایا ہے۔ گھر میں اگر موم ہیں تو میدان جنگ میں کوہ گراں بن جاتی ہیں۔''[۷]

اسی طرح سفرِ حج میں مقدس فریضے کی اہمیت اور تقاضوں کو شامل کیا گیا ہے۔ بشریٰ رحمن اس سفر میں پیش آنے والی مشکلات کو برداشت کرنے کا درس دیتی ہیں کیوں کہ یہ تکلیفیں اجر و ثواب کا باعث بنتی ہیں۔ محبت و عقیدت پر مبنی یہ سفر نامہ حج معلومات کا بھی بے پناہ ذخیرہ قرار دیا جا سکتا ہے۔

اسی سلسلے کی ایک اور کڑی سید مسعود حسن شہاب دہلوی[i] ہیں، ان کا سفر نامہ ''سفر ہی سفر'' نو اسفار پر مبنی ہے جن میں تین تفصیلی اور چھے جزوی سفر نامے شامل ہیں۔ ''کراچی سے ڈھاکہ تک'' کے ذیلی عنوان سے دورہ ڈھاکہ کے حالات و واقعات شامل کیے گئے ہیں۔ یہ سفر روایتی صحافیانہ انداز کے باوجود تفصیلی معلومات پر مشتمل ہے۔ سفر نامے میں فرضی واقعات کو شامل کرنے کی بجائے حقیقت نگاری سے استفادہ کیا گیا ہے۔

سید مسعود حسن شہاب دہلوی نے ''صوبہ سرحد میں چند روز'' کے ذیلی عنوان سے لکھا گیا سفر نامہ

---

i مسعود حسن شہاب دہلوی کی تاریخ پیدائش ۰۲ اکتوبر ۱۹۲۲ء ہے۔ وہ تقسیم ہند سے قبل دہلی میں اردو زبان کے انسٹرکٹر کی حیثیت سے فرائض انجام دے رہے تھے جبکہ ہجرت کے بعد مستقل طور پر بہاول پور میں سکونت اختیار کی۔ سید مسعود حسن شہاب دہلوی نے ۱۹۴۸ء میں ہفت روزہ ''الہام'' جبکہ ادبی رسالہ ''الزبی'' کا اجراء ۱۹۵۹ء میں کیا۔۔ سید مسعود حسن شہاب دہلوی نے نظم و نثر میں خوب نام کمایا۔

اپنے دوستوں کے ساتھ اختیار کیا۔ دوران سفر مختلف علاقوں کے صحافیوں سے ملاقات کی گئی۔ ٹیکسلا کے کھنڈرات اور بدھ مت کے بارے میں معلومات نہایت عمدگی سے بیان کی گئی ہیں۔ مثال کے طور پر:

> ''ٹیکسلا کا اصل نام تکھ شلا تھا جس کے معنی ہیں ترشے ہوئے پتھروں کا شہر، بعد میں اس نام کو بھی تراشا گیا اور تبدیل ہوتے ہوتے یہ صرف ٹیکسلا رہ گیا۔''[۸]

سید مسعود حسن شہاب دہلوی علمی و ادبی مقام مرتبے کی حامل شخصیت ہیں۔ انھوں نے باوقار انداز میں سفر نامہ قلمبند کیا ہے۔ یہی صورتحال ''دلی نامہ'' میں بھی نظر آتی ہے۔ بہاول پور شہر سے وابستگی کے باوجود انھیں جب بھی فراغت ملتی وہ خود کو دہلی کے گلی کوچوں میں پاتے اسی جذباتیت کے پیش نظر انہوں نے دہلی کا سفر اختیار کیا اور گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ دہلی شہر میں تغیر و تبدل کے اثرات کو بھرپور انداز میں پیش کیا علاوہ ازیں اولیاء کے مزارات پر حاضری کا احوال بھی اس انداز میں تحریر کیا گیا کہ ان کے تاریخی پہلوؤں کو اجاگر کیا جاسکے:

> ''شہاب دہلوی بحیثیت آدمی وہ کہیں نہ کہیں اور کبھی نہ کبھی یاروں کے بائیں پلڑے میں معلق ضرور نظر آتے ہوں گے۔''[۹]

مسعود حسن شہاب دہلوی کے مختصر سفر نامے بعنوان ''بہاول پور سے بخشن خان تک''، ''لاہور سے شرق پور''، ''برکتوں کا سفر (ڈیرہ غازی خان)''، ''رحیم یار خان کا سفر''، ''سیالکوٹ سے لاہور تک'' اور ''کراچی کراچی ہے'' اندرون ممالک سیاحت پر مبنی ہیں۔ ان اسفار میں اختصار کے ساتھ ساتھ سفری سرگزشت کے اغراض و مقاصد سے بھی آگاہ کیا گیا ہے:

> ''سفر نامے کی بنیادی خصوصیات یہ ہیں کہ اس کی نثر دل کش ہو، اس کا مشاہدہ گہرا ہو۔ مصنف جس لطف سے سرشار ہو قاری کو اس میں برابر کا شریک کر سکے۔''[۱۰]

مسعود حسن شہاب دہلوی کے سفر ناموں میں عام فہم اندازِ تحریر نمایاں ہے۔ ''سفر ہی سفر'' میں نامانوس الفاظ کی وضاحت جابجا نظر آتی ہے جس سے ہر طرح کا قاری فیض یاب ہو سکتا ہے۔ سید مسعود حسن

شہاب دہلوی صحافت سے وابستہ تھے اسی لیے ان کے سفر ناموں میں رپورٹنگ کا انداز بھی دکھائی دیتا ہے۔ سفر نامے کے اسی تسلسل کو برقرار رکھتے ہوئے ایک اور بڑا نام محمد کاظم[i] کا ہے۔ ان کا سفر نامہ ''دامن کوہ میں ایک موسم'' رسالہ فنون میں قسط وار شائع ہوتا رہا تاہم بعد میں کتابی صورت میں سامنے آیا۔ اس سفر نامے میں جرمنی کی سفری روداد شامل ہے:

> ''سفر نامہ ایک بیانیہ صنفِ ادب ہے۔ دورانِ سفر مصنف جہاں جہاں سے گزرتا ہے، ہر جہاں جہانِ دیگر کا منظر پیش کرتا ہے۔''[۱۱]

محمد کاظم اپنے دیگر دو اراکین کے ہمراہ ایک سال کے لیے ڈپلومے کی غرض سے جرمنی روانگی اختیار کرتے ہیں۔ اپنے شہر سے دوری اور ایک نئے جہاں کی قربت کا حسین امتزاج سفر نامے کو دلکش بناتا ہے۔ محمد کاظم جابجا انسانی نفسیات اور رویوں کو بغور دیکھتے اور باریک بینی سے جائزہ لیتے ہیں۔ محمد کاظم ''آخن میوہلے'' میں گزارے گئے شب و روز اور گرد و پیش مختلف طرح کے لوگوں سے میل ملاپ کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''انسانی کرداروں کا معاملہ بھی عجیب ہے، ہاتھ کی انگلیوں کی طرح یہ سب ایک جیسے ہوتے ہوئے یکساں نہیں ہوتے۔''[۱۲]

سفر نامہ نگاری کی اس روایت میں ایک اور نام سید ناصر الدین[ii] کا ہے۔ ان کا سفر نامہ ''چین

---

i محمد کاظم ۱۴ اگست ۱۹۲۶ء میں احمد پور شرقیہ میں پیدا ہوئے انہوں نے تعلیم کا باقاعدہ آغاز بہاول پور سے کیا جب کہ اعلی تعلیم کے حصول کے لیے علی گڑھ چلے گئے انھوں نے ۱۹۴۷ء میں تعلیم سے فراغت کے بعد محکمہ انہار میں ملازمت اختیار کی اور پاکستان کے پانی و بجلی کے ترقیاتی ادارے میں بحثیت چیف انجینئر اپنے فرائض سے سبکدوش ہوئے۔ محمد کاظم عربی زبان سے گہرا لگاؤ رکھتے تھے عربی زبان میں ان کی تخلیقات کو مستند حیثیت حاصل ہے۔

ii سید ناصر الدین ۱۹۳۲ء میں سابق ریاست کپور تھلہ (مشرقی پنجاب) میں پیدا ہوئے۔ جب کہ قیام پاکستان کے بعد ہجرت کر کے بہاول پور میں مستقل سکونت اختیار کی۔ انہوں نے تحقیق کے حوالے سے کئی کتابیں لکھیں جبکہ سیر و سیاحت سے لگاؤ کی بنا پر نہ صرف مختلف ممالک کا سفر اختیار کیا بلکہ اس حوالے سے سفر نامے کی صنف میں بھی طبع آزمائی کر چکے ہیں۔

بھارت اور نیپال'' تین ممالک کی سیاحت پر مشتمل ہے۔ پہلے تین باب چین، بھارت اور نیپال کے متعلق ہیں۔ جب کہ باب چہارم میں نقشہ جات اور تصاویر شامل کی گئی ہیں۔ ان ممالک کی مختصر تاریخ، جغرافیہ، اقتصادی صورتحال، تجارتی حالات، صنعت و حرفت اور تاریخی اہمیت کو موضوع بنایا گیا ہے:

> ''اب سیاح کا کام صرف یہ رہ گیا ہے کہ مخصوص ماحول اور حالات میں اپنے ذاتی اور انفرادی رد عمل کی وہ جھلک پیش کر دے جس سے قاری کی ذہنی وسعت اور انسان شناسی میں اضافہ ہو۔''[۱۳]

سید ناصر الدین کا سفر نامہ ''چین، بھارت اور نیپال'' کا تاریخ، جغرافیہ، اقتصادی صورتحال اور مختلف شعبہ جات کے حوالے سے اعداد و شمار پر مبنی تجزیہ اگرچہ معلومات کا اہم ذریعہ ثابت ہوتا ہے تاہم اس سے ادبی چاشنی اور تخلیقی انداز میں نمایاں کمی محسوس ہوتی ہے۔ سید ناصر الدین بھارت اور پاکستان کے مابین ایک متضاد صورتحال سے پردہ اٹھاتے ہیں جو کچھ یوں ہے:

> ''گلاؤ ٹھی، ہاپوڑ، بلند شہر، رام پور اور مراد آباد میں ہر سڑک پر سور پھرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں جو کہ پاکستان میں بالکل نہیں ہوتے، علاوہ ازیں مکانوں کی چھتوں پر کثیر تعداد میں بندر ہیں۔ ان دونوں چیزوں سے پاکستان پاک ہے۔''[۱۴]

گوہر ملسیانی [i] نے ۱۹۹۵ء میں سفر حج اختیار کیا اور حج سے واپسی پر ''حرمین شریفین کی فضاؤں میں'' کے عنوان سے سفر نامہ تحریر کیا۔ انھوں نے اس سفر نامے کو دو ابواب بالترتیب ''مکہ المکرمہ کی جانب'' اور ''مدینہ منورہ کی جانب'' میں منقسم کیا۔ ان ابواب کے کئی ذیلی عنونات ہیں۔ گوہر ملسیانی نے سفر نامے کا آغاز دورِ پاک سے کیا ہے۔ اس کے بعد حرمین شریفین کا نقشہ شامل کیا گیا ہے تاکہ قاری ان مقامات سے مکمل

---

i گوہر ملسیانی کا اصل نام ''طفیل احمد'' ہے جب کہ قلمی نام گوہر ملسیانی تخلیق کرتے ہیں۔ گوہر ملسیانی ۱۹۳۴ء میں ملسیان (ہندوستان) میں پیدا ہوئے جب کہ قیام پاکستان کے بعد صادق آباد میں مستقل سکونت اختیار کی۔ گوہر ملسیانی درس و تدریس کے شعبے سے منسلک رہے اور ان کا شمار علم و ادب کی جانی مانی پہچانی شخصیات میں کیا جاتا ہے۔

طور پر واقفیت حاصل کرے جن کا اس سفر نامے میں ذکر شامل ہے۔ گوہر ملسیانی اس سفر نامے میں محققانہ انداز سے اپنے مشاہدات بیان کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں وہ قرآنی آیات اور احادیث کو بنیاد بنا کر دلائل دیتے ہیں جب کہ اس سفر نامے میں انھوں نے ماضی و حال کے واقعات کو اس انداز میں یکجا کیا ہے کہ اس سے پاکیزہ اور لطیف جذبات کا اظہار ملتا ہے۔ گوہر ملسیانی ایک سیاح کی بجائے سفر نامہ نگار کے طور پر تاریخی مقامات اور ان کی خصوصیات کو اپنے علم و مشاہدے کی بدولت بھرپور انداز میں پیش کرتے ہیں۔

گوہر ملسیانی نے اس سفر نامے کو افسانوی انداز میں تحریر کیا ہے نیز تاریخی مقامات سے بھی روشناس کرایا گیا ہے۔ انھوں نے اسلامی واقعات کو بھی سفر نامے میں شامل کیا ہے جس سے سفر نامہ عقیدت و احترام کا بھرپور تاثر پیش کرتا ہے۔ سفر نامہ میں مقدس مقامات کا تفصیل سے جائزہ لیا گیا ہے۔ اس حوالے سے خانۂ کعبہ اور مسجدِ نبوی کی تعمیر و توسیع کا ذکر بھی شامل ہے۔ گوہر ملسیانی نے خود کو نیک اور پاک باز بنانے کی کوشش نہیں کی بلکہ بشری کمزوریوں کا من و عن اظہار کیا ہے۔ اس حوالے سے وہ ایک موقع پر لکھتے ہیں:

> ''آبِ زم زم کے ٹینک پر پہنچے، سیر ہو کر پیا۔۔۔ بوتل بھر نا شروع کی تو ایک دست نازک کندھے کے اوپر سے گلاس لیے نمودار ہوا۔ بازو گداز سونے کی چوڑیوں سے مرصع، دل نے خواہش کی کہ نظر اُٹھا کر دیکھوں، عقل نے روک دیا، احرام باندھے ہوئے ہو۔''[۱۵]

سیّد انیس شاہ جیلانی[i] ''سفر نامہ مقبوضہ ہندوستان'' میں ''لف لام میم'' کے عنوان سے سفر کے اغراض و مقاصد اور اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے اس بات کا انکشاف کرتے ہیں کہ انھوں نے زندگی میں بہت کم سفر اختیار کیا اور جب بھی کہیں دوسرے شہر کا رُخ کیا ہمیشہ حلقہ احباب قریب رہا۔ دورانِ سفر وہ اپنی تنہائی اور

---

i سیّد انیس شاہ جیلانی محمد آباد موضع بیگ مہر تحصیل صادق آباد میں ۲۳/اکتوبر ۱۹۳۷ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے علاقے کے پرائمری مؤدب سکول سے حاصل کی۔ ان کے والد سیّد مبارک شاہ نے ۱۹۵۰ء میں رئیس محمد احمد جعفری کے پاس تعلیم و تربیت کی غرض سے کراچی بھجوا دیا تاہم تعلیم سے عدم دلچسپی کی وجہ سے یہ سلسلہ جاری نہ رہ سکا۔ سیّد انیس شاہ جیلانی مبارک اُردو لائبریری کے سرپرست تھے۔ ان کا سفر نامہ ''سفر نامہ مقبوضہ ہندوستان'' کے عنوان سے شائع ہوا۔

اکیلے پن کی وجہ سے اُکتاہٹ میں مبتلا نظر آتے ہیں جب کہ چند خطوط بھی سفر نامے میں شامل کیے گئے ہیں جن میں اپنے گھر والوں اور دوستوں سے مخاطب ہو کر طبیعت کی ناسازی کے باوجود سفر کے حوالے سے عملی قدم اُٹھائے جانے پر جہاں حیرت کا اظہار ملتا ہے۔ وہ اپنے گھر والوں کی جدائی پر بھی افسردہ ہیں:

> ''ایک کامیاب سفر نامہ وہ ہوتا ہے جو صرف ساکت و جامد نظریات کا عکاس نظر نہ ہو بلکہ لمحۂ رواں میں آنکھ، کان، زبان اور احساس سے ٹکرانے والی ہر شے نظر میں سما جانے والی ہو۔''[۱۶]

سیّد انیس شاہ جیلانی، رئیس امروہوی، اختر فیروز اور محمود اکبر آبادی کے ہمراہ کنور مہندر سنگھ بیدی سحر کی دعوت پر ہندوستان روانگی اختیار کرتے ہیں۔ وہ اپنے دوستوں کی عادات واطوار کے حوالے سے برجستگی کا اظہار کرتے ہیں۔ دورانِ سفر وہ مختلف موضوعات کی بہتات کو یکجا کرنے کی کوشش کرتے ہیں جس کی وجہ سے سفر نامہ ''پند و نصیحت'' تک محدود رہ جاتا ہے اور اسلوب ڈپٹی نذیر احمد کا دکھائی دیتا ہے۔ سفر نامہ پند و نصائح اور مکتوب نگاری کی بدولت سیاحت کے حوالے سے خاطر خواہ مواد فراہم نہیں کرتا یہی وجہ ہے کہ تاریخی موضوعات کو غیر ضروری طوالت دینے سے قاری اُکتاہٹ کا شکار ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور پر سیّد انیس شاہ جیلانی اپنے دوستوں کے متعلق بتاتے ہیں:

> ''رئیس صاحب کے حلقے میں میں سمجھتا ہوں جون ایلیا کے توسط سے محمد علی صدیقی تھے۔ انور شعور، حسن عابد، عبیداللہ علیم، سحر انصاری تھے۔ شکیل عادل زادہ تو تھے ہی گھر کے ایک فرد۔ تو یہ تھا ایک ٹولہ۔ اب دیکھ لو یہ سب لوگ آج دنیائے ادب میں اپنا ایک مقام پیدا کر چکے ہیں۔''[۱۷]

محمد اختر مونکا[i] نے دو سفر نامے ''پیرس ۲۰۵ کلو میٹر'' اور ''سفر تین درویشوں کا'' کے عنوان سے لکھے۔ ان اسفار میں تاریخی، جغرافیائی، تہذیبی، ثقافتی، علمی اور ادبی زندگی کو موضوع بنایا گیا ہے۔ محمد اختر مونکا مختلف ممالک کی سیاحت کے دوران میں اندازہ لگاتے ہیں کہ دنیا کے بیشتر ممالک کے کسانوں کی بنیادی خوراک گندم کی روٹی ہے تاہم ہر ملک میں اس کے لوازمات بدل جاتے ہیں۔ وہ جہاں تہذیبوں کے مابین تصادم کو بیان کرتے ہیں وہیں مماثلت کو بھی شامل کیا گیا ہے اسی حوالے سے محمد اختر مونکا یورپ کے حالاتِ زندگی کا گہرائی سے جائزہ لیتے ہیں۔ وہاں یورپ میں عورت اور مرد کو یکساں حقوق حاصل ہیں یہی وجہ ہے کہ یہ آزادی کئی بار وبالِ جان بن جاتی ہے۔ وہ اس حوالے سے اپنا مشاہدہ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

> ''ان دونوں میں سودے بازی ہوئی اور جب سودا طے ہو گیا تو ''پی داتا'' نے ٹرک ایک طرف پارک کر دیا اور خود اس کے رنگین خیمے میں رنگ رلیاں منانے چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد ''پی داتا'' سیٹیاں بناتا ہوا خیمے سے باہر آ گیا اور وہ بی بی بھی ہمارے دیکھتے دیکھتے دوبارہ سڑک پر کھڑی ہو کر دوسرے ٹرک ڈرائیور کو ہاتھ ہلانے لگی۔''[۱۸]

محمد اختر مونکا اس سفر نامے میں منظر نگاری کے ذریعے قاری کو یہ تاثر دینے میں کامیاب رہتے ہیں کہ گویا وہ بھی اس سفر میں شامل ہے۔ ایک اچھے سفر نامہ نگار کی حیثیت سے وہ جہاں بھی جاتے ہیں وہاں کی منظر نگاری جزئیات کے ساتھ بیان کرتے ہیں اور کئی جگہوں پر ان کا یہ انداز افسانوی رنگ میں ڈھل جاتا ہے۔ محمد اختر مونکا نے اس سفر نامے میں ادبی اور تاریخی پہلوؤں کو نہایت عمدگی سے بیان کر کے بطور سفر نامہ نگار خود کو منوایا ہے۔

---

i محمد اختر مونکا ۱۴/جون ۱۹۴۴ء کو بہاول نگر کے قصبے کھیرانوالہ میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے ۱۹۵۳ء میں جنڈوالہ سے پرائمری کا امتحان پاس کیا اور پھر صادق پبلک سکول بہاول پور میں داخلہ لیا۔ محمد اختر مونکا نے اسی ادارے سے ہی اپنی ادبی زندگی کا آغاز کر دیا تھا۔ ۱۹۷۰ء میں ان کی ملازمت پی آئی اے میں ہو گئی جب کہ ۱۹۷۴ء میں وہ ڈسٹرکٹ سیلز منیجر کے عہدے پر فائز ہو کر سپین چلے گئے، انھوں نے کچھ عرصہ مصر میں کنٹری منیجر کے طور پر ذمہ داری بھی ادا کی۔ محمد اختر مونکا نے لاہور میں ''انڈس گائیڈ'' کے نام سے سیاحتی ادارہ بنایا جو باہر کے ملکوں سے آنے والے لوگوں کو سیر و سیاحت کی سہولیات فراہم کرتا ہے۔

محمد اختر مونکا تاریخ سے گہری دلچسپی کی بنا پر اپنے سفر ناموں میں جہاں بھی مناسب موقع دیکھتے ہیں تاریخی پہلوؤں کو ذاتی تجربات و مشاہدات پر فوقیت دیتے ہیں۔ یوں محمد اختر مونکا تاریخ کو مسند انداز میں بیان کرتے ہیں نیز ان ممالک کے خدوخال، موسم کی صورتِ حال اور اجناس کے حوالے سے تفصیل شامل ہے جب کہ وہ مختلف قوموں کو جذباتی، تہذیبی اور ادبی و علمی لحاظ سے قریب لانے کی کوشش کرتے ہیں۔ محمد اختر مونکا کو کئی مقامات پر اخلاق سوز مناظر دکھائی دیتے ہیں تاہم وہ ایسے موقعوں پر ڈھکے چھپے الفاظ میں وضاحت کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں دیگر سفر نامہ نگاروں کی طرح ایسے مناظر کو بڑھا چڑھا کر پیش نہیں کیا گیا۔ وہ اس سفر نامے میں جہاں حقیقت نگاری سے کام لیتے ہیں وہیں برجستہ جملوں سے واقعات کو دل کش بنایا گیا ہے۔

مجموعی طور پر خطۂ بہاول پور کی غیر افسانوی نثر پر نگاہ دوڑائیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ اس خطے میں سفر نامہ نگاری کی طرف زیادہ توجہ دی گئی۔ بیش تر سفر نامے حج و عمرہ سے متعلق لکھے گئے جو یہاں کے باسیوں کی مذہب سے عقیدت کا اظہار ہیں۔ سفر نامہ نگاروں نے فنی تقاضوں کو مد نظر رکھتے ہوئے دلچسپ سفری روداد قلم بند کیں۔ یہ روایت نہ صرف ماضی میں پوری آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر رہی بلکہ موجودہ دور میں بھی ایک مستند حیثیت کی حامل قرار دی جا سکتی ہے۔ قیام پاکستان کے بعد خطۂ بہاول پور میں جن دیگر سفر نامہ نگاروں نے اس تسلسل کو برقرار رکھا ان میں، محمد اخلاق قریشی، خورشید ناظر، خالق تنویر، مہر محمد بخش نول، حیدر قریشی، نعیمہ راؤ، اکبر علی خان، ساجد فاروق، محمد کامران، حسن عباسی اور خالد محمود بھٹی کے نام اہمیت کے حامل ہیں۔ اس حوالے سے کہا جا سکتا ہے کہ سفر نامے کی صنف میں بہاول پور کی دھرتی زرخیز ہے۔ یہاں کے سفر نامہ نگاروں نے فنی تقاضوں کو مد نظر رکھتے ہوئے دلچسپ سفری روداد قلمبند کیں۔ یہ روایت نہ صرف ماضی میں اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر رہی بلکہ موجودہ دور میں بھی ایک مستند حیثیت کی حامل قرار دی جا سکتی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ ڈاکٹر انور سدید، اردو ادب میں سفر نامہ (لاہور: مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، ۱۹۸۷ء)، ص ۵۳۔

۲۔ رفیع الدین ہاشمی، اصنافِ ادب (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۸ء)، ص ۱۸۸۔

۳۔ منیر احمد شیخ، ''تبصرہ''، مشمولہ: فنون (لاہور: مئی/جون ۱۹۸۵ء)، ص ۵۵۱۔

۴۔ محمد خالد اختر، مجموعہ محمد خالد اختر (کراچی: اوکسفورڈ یونیورسٹی پریس، ۲۰۱۱ء)، ص ۷۹۔

۵۔ ایضاً، ص ۲۵۹۔

۶۔ شفیق الرحمٰن، مجموعہ شفیق الرحمٰن (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۸ء)، ص ۲۷۸۔

۷۔ بشریٰ رحمٰن، ٹک ٹک دیدم ٹوکیو (لاہور: وطن دوست لمیٹڈ گارڈن ٹاؤن، ۱۹۸۹ء)، ص ۳۱۴۔

۸۔ سید مسعود حسن شہاب دہلوی، سفر ہی سفر (بہاول پور: اردو اکیڈمی، ۱۹۸۹ء)، ص ۳۳۸۔

۹۔ شاہد حسن رضوی، ڈاکٹر، ''مہماتِ ادبی کا جائزہ''، مشمولہ: سہ ماہی الزبیر (بہاول پور: اُردو اکیڈمی، شمارہ ۳، ۲۰۰۸ء)، ص ۸۷۔

۱۰۔ قدسیہ قریشی، ڈاکٹر، اُردو سفرنامے انیسویں صدی میں (لکھنؤ: نصرت پبلشرز، ۱۹۸۷ء)، ص ۵۴۔

۱۱۔ شاہد حسن رضوی، ڈاکٹر، الزبیر-سفرنامہ نمبر (بہاول پور: اُردو اکیڈمی، ۱۹۹۸ء)، ص ۳۴۴۔

۱۲۔ محمد کاظم، دامنِ کوہ میں ایک موسم (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۸۸ء)، ص ۲۴۷۔

۱۳۔ جمیل زبیری، دھوپ کنارہ (کراچی: بیلا پبلی کیشنز، ۱۹۸۱ء)، فلیپ۔

۱۴۔ سید ناصر الدین، چین، بھارت اور نیپال (اسلام آباد: منزل پرنٹرز، ۲۰۰۲ء)، ص ۹۱۔

۱۵۔ گوہر ملسیانی، حرمین شریفین کی فضاؤں میں (صادق آباد: گوہر ادب پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء)، ص ۱۰۴۔

۱۶۔ مقبول بیگ بدخشانی، سرزمین حافظ خیام (لاہور: غالب پبلشرز، ۱۹۷۹ء)، ص ۸۔

۱۷۔ سیّد انیس شاہ جیلانی، سفر نامہ مقبوضہ ہندوستان (صادق آباد: مبارک اُردو لائبریری، اشاعت اول، ۱۹۹۳ء)، ص ۱۱۸۔

۱۸۔ محمد اختر مونکا، پیرس ۲۰۵ کلومیٹر (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۳ء)، ص ۲۹۴۔